سید رئیس احمد جعفری مرحوم
انتخاب: محمد عمر فاروق

سیّد عطاء اللہ شاہ بخاری - کچھ یادیں

مرحوم سید رئیس احمد جعفری---مرحوم ہندوستان کے لیگی نہاد لکھاریوں میں امام الائمہ کے درجہ پر فائز تھے- عالم دین، مصنف، مترجم، صحافی، اردو، عربی، فارسی اور انگریزی میں طاق--لیکن افسوس تعصبات کے مسموم ماحول میں یوں کھو کررہ گئے کہ قوم کو کوئی فکری سرمایہ منتقل نہ کر سکے- ان کا سرمایہ افتخار محمد علی جوہر اور محمد علی جناح کی "امامت معصومہ" کا منادو مفسر ہوناتھا اور بس! اس اعتبار سے دیکھا جائے تو زیر نظر مضمون کی اہمیت بہت بڑھ جاتی ہے- تاریخ کا تجزیہ کرنے والے اور تاریخ کی تذلیل کرنے والے--دونوں کو اس مضمون کے بین السطور جھانکنے کی دعوت عام ہے! (ادارہ)

معجزہ اہل فکر فلسفہ ہیچ ہیچ!
معجزہ اہل ذکر موسیٰ وفرعون وطور

مولانا عطاء اللہ شاہ بخاری بھی اس دنیا سے رخصت ہوگئے- ہا!

جو بادہ کش تھے پرانے وہ اٹھتے جاتے ہیں
کہیں سے آب بقائے دوام لا ساقی!

لیکن یہ آب بقائے دوام کس کو ملا جو بخاری کو مل جاتا؟ جب احمد مرسلؐ نہ رہے کون رہے گا؟

مولانا بخاری بہت بڑے عالم نہیں تھے نہ مفسر نہ محدث، نہ فقیہ، نہ متکلم لیکن وہ بڑے انسان ضرور تھے، ان میں قلندرانہ صفات تھیں. درویشانہ ادائیں اور فقیرانہ جلال!

مولاناسیاست کے میدان میں ایک سیاست داں کی طرح نہیں آئے تھے نہ انہیں ہندوستان کے آئندہ دستور سے دلچسپی تھی، نہ تحفظ حقوق مسلمین کےلیے وہ کانگریس سے لڑنے پر آمادہ تھے، نہ ہندو مسلم کشمکش سے انہیں کچھ زیادہ سروکار تھا- وہ صرف یہ چاہتے تھے کہ ہر قیمت پر انگریز اس ملک سے نکل جائیں انگریزوں سے انگریزی سامراج سے، انگریزوں کی ہر چیز سے انہیں نفرت تھی- وہ کانگریس کی مسلم آزاری کو بھی اس لیے برداشت کرتے اور اس سے آمادہ تعاون ہو جاتے تھے کہ ان کے نزدیک وہ انگریزوں کو نکالنے کی جدوجہد کررہی تھی، ان کا خیال تھا جب تک انگریز اس دیس سے نہیں نکالے جاتے اس وقت تک نہ عالم اسلام آزاد ہوسکتا ہے، نہ یہ ملک- یہی وجہ ہے وہ ہمیشہ غیر مشروط طور پر ہر مخالف برطانیہ تحریک میں پورے خلوص اور نیک نیتی کے ساتھ شریک ہوئے- علی برادران جب تک کانگریس کے ساتھ تھے مولانا ان کے نیازمند رفیق اور ہم قدم بنے رہے جب معلوم ومعروف وجوہ سے انہوں نے کانگریس سے کنارہ کشی کی تو مولانا ان سے الگ ہوگئے، لیکن اس علیحدگی کا مطلب یہ نہ تھا کہ وہ محمد علی اور شوکت علی کے خلوص، حب وطن اور جذبہ ملی کے قائل نہ تھے، ضرور قائل تھے لیکن انہوں نے اپنے لیے جو راہ متعین کی تھی وہ دوسری تھی اور وہ اپنا سوچا سمجھا راستہ بدلنے کو تیار نہیں تھے-

گول میز کانفرنس ۱۹۳۰ء میں جب اپنی ولولہ انگیز، حریت آفرین اور روح پرور گم...

مولانا محمد علی اس دنیا سے رخصت ہوگئے تو دلی کی جامع مسجد میں ایک مرتبہ نماز جمعہ کے بعد مولانا نے رو رو کر تقریر کی- آنسو ان کی آنکھوں سے جاری تھے- آواز بھرائی ہوئی تھی گریہ گلو گیر ہو رہا تھا اور وہ تقریر کر رہے تھے مجھے اچھی طرح یاد ہے اس تقریر میں مولانا نے بڑے درد اور سوز کے ساتھ فرمایا تھا "محمد علی کا سا سپوت صدیوں میں کوئی ماں جنتی ہے" یہ الفاظ میرے کانوں میں گونج رہے ہیں اور میں دعویٰ کرسکتا ہوں کہ مولانا کے بالکل یہی الفاظ تھے-

مولانا کے یہ الفاظ ان کے خلوص اور سچائی کا آئینہ ہیں، حقیقت یہ ہے کہ وفات سے کچھ عرصہ پہلے مولانا محمد علی کے تعلقات مولانا بخاری سے اور نہ صرف مولانا بخاری سے، بلکہ جمیعت علمائے ہند کے تمام اکابر سے کیونکہ سب کا مسلک یہی تھا- انتہائی تلخ اور کشیدہ ہو چکے تھے، تقریروں اور تحریروں میں نہایت سختی اور شدت کے ساتھ ایک دوسرے کے افکار و نظریات کا احتساب کیا جاتا تھا اور اس سختی اور شدت میں تلخی اور بدمزگی نمایاں طور پر جھلکتی تھی، مولانا محمد علی بھی کچھ کم نہ تھے، جس سے مخالفت ہو جاتی اس کی تحلیل اور تجزیہ میں وہ کوئی کسر نہ اٹھا رکھتے چنانچہ انہوں نے "بخاری اور مسلم" موضوع پر جو کچھ کہا اور لکھا وہ تاریخِ سیاستِ ہند کا نہایت دلچسپ باب ہے- لیکن اس شدید تلخی اور سخت اختلاف کے باوجود محمد علی مولانا بخاری کے خصائص امتیازات اور صفات کے قائل تھے اور اعتراف میں ذرا بھی بخل روا نہ رکھتے تھے مولانا بخاری ایک شعلہ بیاں اور آتش فشاں اور سرطراز واعظ بھی تھے وہ تقریر شروع کرتے تو بڑے سے بڑا مجمع خواہ مخالفوں کا کیوں نہ ہو دم بخود ہو جاتا، ان کی تقریر میں وہ روانی، وہ شگفتگی وہ حلاوت اور وہ تاثیر تھی کہ جو لوگ مخالفت کا ارادہ کرکے جاتے وہ اس وقت چونکتے جب تقریر ختم ہو چکتی، اور یہ تقریر مختصر نہ ہوتی- اگر اسے تقریر شبینہ کے نام سے یاد کیا جائے- تو ذرا مبالغہ نہ ہوگا، وہ عشاء کے بعد تقریر شروع کرتے اور فجر کے وقت ختم کرتے، آندھی آئے، پانی برسے، قیامت تک کیوں نہ گزر جائے لیکن مولانا کے سامعین اپنی جگہ سے جنبش تک نہ کرتے ،، کسی کی آنکھ میں جادو تیرے بیان میں ہے ،، اور واقعہ یہ ہے کہ انکی جادو بیانی ایک مسلمہ حقیقت تھی-

لاہور کے ایک متعصب اور گندہ ذہن آریہ سماجی راجپال نے ایک انتہائی اشتعال انگیز کتاب ،، رنگیلا رسول ،، (نعوذ باللہ) لکھی اس کتاب نے سارے پنجاب میں تہلکہ مچا دیا- خاص طور پر لاہور تو میدانِ قیامت بن گیا- مزید ستم یہ ہوا کہ مقدمہ عدالت عالیہ میں گیا اور جسٹس دلیپ سنگھ نے راجپال کو بری کر دیا- اس فیصلہ نے اور زیادہ قیامت برپا کر دی ،، زمیندار ،، اور بعض دوسرے اخبارات نے، دلیپ سنگھ مستعفی ہو جاؤ، عنوان سے کئی مقالات لکھے نتیجہ یہ ہوا کہ ملت کے دو نام میں یہ لوگ ماخوذ اور سزایاب ہوئے-

مولانا محمد علی نے ہمدرد میں ایک مقالہ افتتاحیہ لکھا جسکا عنوان تھا، قصور قاضی کا نہیں تھا قانون کا ہے، انہوں نے لکھا تھا تعزیراتِ ہند میں ایسی کوئی مؤثر دفعہ موجود نہیں ہے جسکی رو سے راجپال جیسے مجرموں کو کیفرِ کردار تک پہنچایا جائے، دلیپ سنگھ نے اگر سزا دے بھی دی ہوتی تو کوئی اور جج اسے رہا کر دیتا، لہذا کوشش یہ ہونی چاہیے کہ تعزیراتِ ہند میں ایک دفعہ کا اضافہ کیا جائے جسکی رُو سے بزرگانِ دین کی توہین کرنے والے کو مستوجب سزا قرار دیا جائے-

محمد علی کے اس مضمون نے اور زیادہ آگ لگا دی ان پر الزام لگایا گیا کہ چونکہ آکسفورڈ یونیورسٹی میں دلیپ سنگھ ان کے ہم درس رہے ہیں لہذا وہ ان کا ساتھ دے رہے ہیں، یہ بات بالکل غلط تھی محمد علی ان لوگوں میں تھے کہ خود بقول ان کے ،، اگر شوکت بھی حق کے خلاف قدم اُٹھائیں تو میں پستول میں دو گولیاں بھروں گا، ایک سے شوکت کا کام تمام کروں گا دوسری اپنے مار لوں گا، کیونکہ ان کے بعد زندہ رہنا میرے لیے بیکار ہے ،، بھلا ایسا شخص اتنے بڑے اور اہم معاملہ میں انتہائی مذہبی، بلکہ مذہبی مجنوں ہونے کے باوجود کس طرح دلیپ سنگھ کا ساتھ دے سکتا تھا؟ بات وہی ٹھیک تھی جو انہوں نے لکھی تھی چنانچہ بعد میں تعزیراتِ ہند میں ایک ایسی دفعہ کا اضافہ بھی کیا گیا- غرض سارا لاہور محمد علی کے خلاف ہو رہا تھا اسی حالت میں وہ لاہور گئے اور ایک جلسہ عام میں تقریر کی اور اپنا نقطہ نظر پیش کیا- محمد علی کا یہ مستقل عقیدہ تھا کہ

قائد کو رائے عامہ کے بہاؤ میں نہیں بہنا چاہیے، بلکہ اسکی تشکیل کرنی چاہیے، اور اپنی ہر دلعزیزی کی بھینٹ دے کروہ اسی پر عمل پیرا بھی ہوتے تھے اور بالآخر کامیاب بھی ہوتے تھے۔

اس مرتبہ بھی ایسا ہی ہوا، جو لوگ محمد علی کو قتل کرنے آئے تھے وہ محمد علی زندہ باد کے نعرے لگاتے واپس گئے۔

اس جلسہ میں مولانا عطاء اللہ شاہ بخاری نے ایک بڑی اثر انگیز اور معرکہ آرا تقریر کی (جادہ بیانی اور سحر طرازی کی پوری شان کے ساتھ) مولانا محمد علی نے انہیں گلے لگالیا، اور کہا "تمھاری یہ سحر بیانی اللہ کی دین ہے لیکن یہ یادرکھو، یہ دودھاری تلوار ہے جس طرح یہ حق کے لیے چل سکتی ہے اسی طرح باطل کے لیے بھی چل سکتی ہے اور ہزاروں لوگ جو تم سے متاثر ہو گئے، تمھارا ساتھ دینگے ان کی ذمہ داری صرف تم پر ہو گی خبردار اس جوہر کا غلط استعمال کبھی نہ کرنا"۔

مولانا اپنے راستہ پر چلتے رہے، پورے خلوص اور نیک نیتی کے ساتھ ان کے قدم آگے کی طرف بڑھتے رہے۔ انہیں نہ محمد علی سے غرض تھی، نہ مجلس خلافت سے، نہ وہ قائداعظم سے واسطہ رکھتے تھے نہ مسلم لیگ اور اسکے اغراض ومقاصد اور منزل مقصود سے وہ جب ضرورت دیکھتے ان سب سے الجھ بھی پڑتے۔ وہ اپنی دھن میں مست تھے وہ انگریزوں کے اخراج سے پہلے کچھ سوچنا نہیں چاہتے تھے۔

لیکن جب انگریز اس دیس سے نکلے تو مولانا کو بھی اپنے وطن سے نکلنا پڑا، وہ اپنے وطن میں نہ رہ سکے، جہاں کی فضائیں ان کی شعلہ مقالی سے لرزتی رہتی تھیں، جہاں کے درودیوار ان کی آتش نوائی سے گونجا کرتے تھے، جہاں کے بام و ایوان ان کے زور سخن سے کانپا کرتے، جہاں انہوں نے دکھ جھیلے تھے، تکلیفیں اٹھائی تھیں، اذیتیں برداشت کی تھیں، سجن وزنداں کو لبیک کہا تھا اور دار ورسن کے لیے آمادگی کا اظہار کیا تھا۔ وہی سرزمین، وہی فضائیں، وہی درودیوار، اور وہی بام وایوان ان سے چیخ چیخ کر کہہ رہے تھے اب یہ تمھارا وطن نہیں ہے، اب یہ تمھاری سرزمین نہیں ہے، اب تم یہاں اجنبی ہو، اب تم یہاں بدیسی ہو، چلے جاؤ، نکل جاؤ، بھاگ جاؤ، ورنہ تمھارے جسم وجان کا رشتہ منقطع کردیا جائیگا۔

مولانا کے پاس کیا تھا؟ - قلندر جزدو حرف لاالہ کچھ بھی نہیں رکھتا - لکڑی ہاتھ میں لی، پوٹلی بغل میں دابی، اور بے وطن ہو کر لاہور آگئے، پھر ملتان چلے گئے اور اب وہاں کے سفر پر روانہ ہوئے جہاں سے کوئی واپس نہیں آتا۔

مولانا بہرحال ہمارے تھے، اختلاف فکرونظر کے باوجود ہمارے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے انتقال پر ہر مسلمان رویا اور ان رونے والوں میں بہت بڑی اکثریت انکی تھی جوان سے نظریاتی اختلاف رکھتے تھے۔ لیکن کتنے تعجب، کتنی حیرت اور کتنے افسوس کا مقام ہے کہ ہندوستان کی لوک سبھا نے رنج وافسوس کا ایک لفظ بھی نہ کہا۔ کیا پنڈت نہرو مولانا کو بھول گئے؟ کیا کانگریس نے مولانا کو فراموش کردیا؟

اسقدر جلد؟ جبکہ انکی حریت ماب اور سامراج شکن تقریروں کی صدائے دل پذیر اب بھی ہندوستان کی ہر گلی اور ہر کوچہ میں گونج رہی ہے؟

تفو بر تو اے چرخ گرداں تفو

نظام راج سے رام راج تک
(صفحہ ۲۴۰ تا ۲۴۵)

آپ کے عطیات: محاسبۂ مرزائیت و رافضیت کی جدوجہد کو تیز تر کرنے کے لئے اپنی زکوٰۃ، صدقات اور عطیات اپنی جماعت مجلس احرار اسلام کو دیجئے

بذریعہ منی آرڈر : سید عطاء المحسن بخاری مدظلہ، دار بنی ہاشم مہربان کالونی، ملتان

بذریعہ بنک ڈرافٹ یا چیک : اکاؤنٹ نمبر ۲۹۴۳۲ حبیب بنک حسین آگاہی، ملتان